رجسٹرڈ نمبر اے ۹۲۳۲

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے

سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۲ | ۱۵ ستمبر ۱۹۵۳ء ★ اڈیٹر۔ قاضی عبدالغفار ★ ۵ محرم الحرام ۱۳۷۳ھ | نمبر ۱۸

ایک ملک میں ایک سے زیادہ زبانیں

لکھنؤ کی اردو کانفرنس کے صدر محترم نے اپنے خطبہ صدارت میں بعض اعتراضات اور شبہات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:-

"ہمارے ملک کی وحدت تو ایسی وحدت اور اس قسم کی کثرت میں وحدت ہے کہ ۱۴ بڑی زبانوں کو ملک کی زبانیں تسلیم کرنے سے قومی وحدت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اور اگر آپ پردیش کی وحدت اس تجویز سے خطرے میں نظر آتی ہو تو یاد رکھنا چاہیے کہ کسی ریاست میں دو یا دو سے زیادہ زبانوں کو تسلیم کرنے سے اس کی تہذیبی وحدت میں رخنے نہیں پڑتے۔ اس وقت بھی پنجاب اور مدھیہ بھارت میں ایک سے زائد زبانیں سرکاری طور پر تسلیم کی جاتی ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ۱۹۳۹ء میں جنگ کے شروع ہونے پر جب میں جرمنی سے گرتا پڑتا سوئٹزرلینڈ پہنچا تو زیورخ میں ایک قومی نمائش کا انہیں دنوں آغاز ہوا تھا۔ یہ نمائش خوش سلیقگی خوش مذاقی اور خوش انتظامی کا نمونہ تو تھی ہی مگر اس چھوٹی سی قوم کی سیاست لسانی کی بھی ایک عجیب موثر مثال یہاں سامنے آتی تھی ــــ نمائش لاکھوں ہی چیزوں کی تو تھی، میلوں میں پھیلی ہوئی، زندگی کے سب شعبوں پر حاوی، میں نے تو ایسی نمائش آج تک دیکھی نہیں۔ اس عظیم الشان نمائش میں ہر چیز جو دکھائی گئی تھی چھوٹی ہو یا بڑی، اس کی تشریح تین زبانوں میں ہر چیز کے ساتھ درج تھی ــــ اس وقت سوئٹزرلینڈ کی حالت جنگ کی وجہ سے خاصی نازک تھی، بتیس دانتوں میں ایک زبان، ہر لمحہ یہ خطرہ تھا کہ کسی فریق جنگ کی فوجیں اس ملک کو اپنی رہگزر نہ بنا ڈالیں، قومی اتحاد کا جذبہ کمال پر تھا۔ ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز کی تشریح تین زبانوں میں کرکے کسی کو یہ گمان نہ ہوتا تھا کہ وحدت قومی پر ضرب پڑ رہی ہے بلکہ وحدت قومی کے قیام میں اس رواداری سے زیادہ اور کوئی چیز معاون نہ تھی۔"

حال ہی میں ممبران پارلیمنٹ کو ہندی کی سندیں تقسیم کرتے ہوئے وزیر اعظم پنڈت نہرو نے بھی سوئٹزرلینڈ کی مثال پیش کی تھی اور فرمایا تھا کہ ان ملکوں میں سے ایک سے زیادہ زبانوں کی وجہ سے کوئی جھگڑا پیدا نہیں ہوتا تو پھر ہندستان میں ایسا کیوں ہو۔

اسی ہفتہ ہندستان کے انگریزی اخباروں میں پروفیسر رولینڈ اے۔ ای۔ ولزے کا ایک مضمون اسی موضوع پر شائع ہوا ہے۔ ہم اس کا ضروری خلاصہ ذیل میں درج کرتے ہیں تاکہ جو کچھ اشارے ڈاکٹر ذاکر حسین اور وزیر اعظم نے اس طرف کئے ہیں ان کی وضاحت ہو جائے۔ پروفیسر ولزے لکھتے ہیں کہ:-

"سوئٹزرلینڈ کے کسی شہر میں جائیے وہاں آپ لوگوں کو بیک وقت فرانسیسی، جرمن اور اطالوی زبانیں بولتے ہوئے سنیں گے.....

..... کم و بیش کا لحاظ کرکے سوئٹزرلینڈ کی حالت ہندستان کی حالت سے کچھ مختلف نہیں ہے .... لیکن سوئٹزرلینڈ کے لوگ بہت زیادہ متحد، امن پسند اور ترقی پسند لوگ ہیں۔ اس قوم میں زبانوں کی زیادہ تعداد ان کی قومی وحدت کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتی اور یہ قومی اتحاد ساری دنیا میں مشہور ہے ....

... ہندستان کی طرح سوئٹزرلینڈ بھی اقوام کے تمام جھگڑوں میں اپنی غیر جنبہ داری قائم رکھتا ہے۔ سوئٹزرلینڈ کے دوران قیام میں ...... میں نے دیکھا کہ وہ لوگ نہایت محنتی اور کارگزار لوگ اور آپس میں ایسے لوگوں سے مل جل کر کام کرتے ہیں جن کی زبان ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زبان کا یہ

اختلاف ذرا بھی ان کے کام پر کوئی خراب اثر پیدا نہیں کرتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اگر سب لوگوں میں باہمی تعاون کا ارادہ مضبوط ہو اور فرقہ داری اختلاف کو صحیح راستوں پر ڈال دیا جائے تو ایسے اختلافات قومی مفاد کے لئے مفید ہو جاتے ہیں۔ .... سوئیٹزرلینڈ میں زبانوں کی تفریق حسب ذیل ہے۔

جرمن بولنے والے	۳۲
فرانسیسی	۱
اطالوی	۱
رومنش	۵
دوسرے لوگ	۳۵

.... ہر ضلع یا صوبہ کے مدرسوں میں، اسی ضلع یا صوبہ کی زبان میں تعلیم ہوتی ہے (سوئیٹزرلینڈ میں ۲۲ صوبے ہیں)۔ اگر صوبہ میں ایک سے زیادہ زبانیں رائج ہیں تو وہ سب ذریعۂ تعلیم ہوتی ہیں۔ عام طور پر صوبہ میں ایک سے زیادہ زبانیں رائج ہیں۔

سوئیٹزرلینڈ کی سرکاری زبانیں بیک وقت تین ہیں، جرمن فرانسیسی اور اطالوی۔ ہر صوبہ سرکاری کاغذات کو اُن سب زبانوں میں شائع کرتا ہے جو اس صوبہ میں رائج ہوں۔ مرکزی حکومت کے کاغذات بھی جب کسی صوبہ کو بھیجے جاتے ہیں تو اسی صوبہ کی زبان یا زبانوں میں لکھے جاتے ہیں۔ ..... مجلس قانون کی کاروائی بھی اسی طرح کی جاتی ہے۔

ادب کی تمام خاص خاص کتابیں تینوں زبانوں میں چھپی ہوئی ملتی ہیں۔

سوئیٹزرلینڈ میں تعلیم یافتہ آبادی سو فیصدی ہے۔

.... (ہندستان میں) ہندی کے حامیوں کو سوئیٹزرلینڈ کی مثال سے کچھ سیکھنا چاہیے .... اور صرف ایک ہی زبان کو تمام ملک میں رائج کرنے پر اصرار نہ کرنا چاہیے ... انھیں سوچنا چاہیے کہ جب سوئیٹزرلینڈ اپنی چھوٹی سی آبادی میں جو ۵۰ لاکھ سے زیادہ نہیں، ایسا انتظام کر سکتا ہے تو پھر ہندستان جہاں تعلیم یافتہ آبادی بمشکل ۱۵ فیصد اور جہاں کی آبادی سوئیٹزرلینڈ کی آبادی سے ۶۰ گنا زیادہ ہے کیوں ایک زبان والا ملک بننے پر اصرار کرے۔ سوئیٹزرلینڈ نے عملی طور پر اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ ایسا ہونا ضروری نہیں۔ ہندستان میں زبان کی وحدت کے ذریعہ سے ملکی وحدت پیدا کرنے کا خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا جب ہم دیکھتے ہیں کہ تامل ناڈ یا بنگال میں اس خیال کی کس قدر مخالفت ہوتی ہے۔

ایک اخبار نویس کی حیثیت سے میں نے غور کیا کہ سوئیٹزرلینڈ کی صحافت پر زبانوں کی تعداد کے زیادہ ہونے کا اثر پڑا ہے۔ سوئیٹزرلینڈ میں ۴۰۰ اخبار نکلتے ہیں جن میں سے ۷۰ فیصد جرمن زبان میں ہیں، ۲۰ فیصد فرانسیسی میں، ۴ فیصد اطالوی زبان میں۔

اب دیکھنا ہے کہ زبان کے معاملہ میں سوئیٹزرلینڈ ہندستان کو کیا سکھاتا ہے۔ آیا عملی طور پر زبانوں کی تعداد کو تسلیم کرنا یا تمام ملک کے لئے ایک ہی زبان کے خواب کی تعبیر حاصل کرنا۔ سوئیٹزرلینڈ نے یہ بتا دیا ہے کہ اگر ملک کے تمام لوگ ایک ہی زبان نہ بولیں تو اس کا کوئی اثر قومی مفاد پر نہیں پڑتا، اس لئے کہ ملکی مفاد کا انحصار تو زیادہ تر معاشی انصاف، مذہبی آزادی اور سیاسی رواداری پر ہے۔"

سوچنے اور سمجھنے والوں کے حلقوں میں قومی اماد اور ایک زبان یا زیادہ زبانوں کا سوال ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اور ہمیں اندیشہ ہے کہ وحدت زبان کے مسئلہ پر ضرورت سے زیادہ زور دینا ملک میں انتشار پیدا کرتا ہے۔

یہاں اور وہاں

مدھیہ پردیش میں حکومت نے اپنے دفاتر میں ہندی زبان کا استعمال لازمی کر دیا ہے، یہاں تک کہ غالباً سرکاری گزٹ اور اعلانات بھی صرف ہندی میں چھاپے جائیں گے

مگر

مرہٹی زبان والے اس عمل کی سخت مخالفت کر رہے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ ریاست میں ان کی زبان کا مقام بھی وہی ہے جو ہندی کا، اس لئے یہ نہیں ہو سکتا کہ دونوں زبانوں کو مساوی درجہ نہ دیا جائے۔ وہ اس قانون سے بہت غیر مطمئن ہیں جو حکومت نے زبان کے متعلق منظور کیا ہے اور جس میں مرہٹی زبان کے خاص خاص علاقوں میں اس زبان کا سرکاری طور پر استعمال کیا جانا لازم قرار دیا ہے۔ مرہٹی زبان والے ساری ریاست میں دونوں زبانوں کا سرکاری طور پر رواج چاہتے ہیں۔

اب مدھیہ پردیش کے ارباب حکومت اس مطالبہ سے یہ کہکر چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ہندی والوں کو چاہیے کہ وہ مرہٹی سیکھیں اور اسی طرح مرہٹی والوں کو ہندی سیکھنی چاہیے تاکہ ریاست میں دونوں زبان مساوی ہو جائیں۔ مرہٹی والے اس تجویز کو کہاں تک قبول کر سکیں گے ہمیں معلوم نہیں۔

لیکن ــــــــــ

اس قضیہ کو سن کر اپنا اتر پردیش یاد آتا ہے جہاں اردو والے بیچارے یہ بھی نہیں کہتے کہ سرکاری زبان کا اور اردو کا درجہ مساوی ہو، وہ تو ایک محدود دائرے میں چند رعایتیں چاہتے ہیں۔ لیکن نہ وہ رعایتیں بھی ان کو نہیں ملتیں بلکہ ان مطالبوں کے جواب میں، انھیں غداری اور پاکستان دوستی، اور دوقومی نظریہ، اور اتحاد دشمنی کے طعنے ملتے ہیں!! ــــــــ حتیٰ کہ نوبت چاقو اور چھری تک آ گئی ہے!!

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

اگر اردو کے بجائے باقی تیرہ زبانوں میں سے کوئی زبان ہندی کے دوش بدوش اتر پردیش میں ہوتی، تب ہم دیکھتے کہ ہماری ریاست کی حکومت کس لہجہ میں بات کرتی!

چشم حقیقت بین کو "اُدھر سرد، اِدھر گرم" کے مظاہرے بصیرت بخشتے ہیں!

ہلکے ہلکے اشارے

چند روز ہوئے انجمن ترقی اردو کے دو ذمہ دار اراکین نے ہندی کے بعض عالم و فاضل حامیوں سے ملاقات کی۔ ملاقات کا مقصد صرف یہ تھا کہ ان حضرات کو بتایا جائے کہ درحقیقت اردو والے کیا چاہتے ہیں اور ان پر ہندی کی مخالفت کا الزام کس قدر بے بنیاد ہے۔

باتیں تو بہت لمبی چوڑی ہوئیں، لیکن ایک بہت بلند مقام پروفیسر صاحب نے دو باتیں ایسی فرمائیں جو بہت ہی دلچسپ تھیں۔

اول تو انھوں نے گفتگو کے آغاز ہی میں ہنس کر فرمایا کہ "بھائی تم جو یہ شکایت کرتے ہو کہ ہندی والے ہندی کو اردو والوں پر مسلط کرنے میں زبردستی کر رہے ہیں تو اچھا یوں ہی سہی، لیکن آخر ایک زمانے میں اردو والوں نے بھی تو بہت زبردستیاں کی تھیں، تو اب ہمیں بھی کچھ زبردستی کر لینے دو"!

سنا آپ نے؟ اس سیکولرازم اور جمہوریت کے زمانہ میں یہ ایک مردہ بھوت اپنی قبر سے نکل رہا ہے!! اردو والوں کی جن زبردستیوں کا جواب دیا جا رہا ہے وہ کیا تھیں یہ تو ہمیں معلوم نہیں۔ لیکن یہ معلوم ہے کہ گزشتہ سو برس کی تاریخ میں اردو کے خلاف تو ہمیشہ ہی کوئی نہ کوئی محاذ قائم رہا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ یہ سخت جان پھر بھی ترقی کرتی رہی اور پھیلتی رہی۔ اس کا سبب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اس نے عوام کے دلوں میں گھر پیدا کیا۔ یہی ایک وجہ ہے کہ وہ سیاسی تعصبات سے اپنا دامن بچا کر سیاسی تعصبات کا ہمیشہ مقابلہ کر سکی۔ اس کی "زبردستیوں" کا یہ افسانہ بہت خوب ہے!

"اس گنہ پر مجھے مارا کہ گنہگار نہ تھا"

دوسری بات ان پروفیسر صاحب نے یہ فرمائی کہ "جی ہاں مان لیا کہ اس وقت اردو والوں کے مطالبات بہت ہی محدود اور معقول ہیں لیکن کیا معلوم کہ کہیں یہ ([illegible]) نہ ہو یعنی کہیں انگلی پکڑاتے کلائی نہ پکڑی جائے" مطلب ان فاضل دوست کا یہ تھا کہ اردو والے آج تو بہت تھوڑے مطالبات پیش کر رہے ہیں۔ لیکن اگر ان مطالبوں کو منظور کر لیا جائے تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ کل کو یہ کچھ اور آگے نہ بڑھیں گے۔ یعنی اردو والوں سے اس بات کے مچلکہ کی ضرورت ہے کہ اگر اس وقت ہم نے دو سوکھے ٹکڑے تمھاری جھولی میں ڈال دیئے تو قسم کھاؤ کہ پھر تم کچھ اور نہ مانگو گے!

اردو کے مسئلہ کو اگر اسی بے اعتمادی کے ساتھ ہندی کے حامی سمجھ رہے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ ان کی طرف سے اردو کی مخالفت کسی اصول پر مبنی نہیں، بلکہ یہ اکثریت کے اقتدار کا نشہ ہے جس کے بطن سے یہ خواہش پیدا ہوئی ہے کہ اردو کے کمزور حامیوں کی نیک نیتی پر بھروسہ کئے بغیر ان کی آواز کو دبا دیا جائے!!

باتیں تو اور بھی بہت سی ہوئیں، مگر اس تمام ملاقات میں ان دو باتوں کی روشنی نے ہمارے دماغوں کو منور کر دیا!!

ایک مقامی معاصر نے علی گڑھ میں ۱۵ اگست کے جشن آزادی کی خبر دیتے ہوئے یہ بیان کیا ہے کہ "پربھات پھیری میں اور دوسری تقریبوں میں بھی جھنڈیوں اور کاغذ کے بورڈوں پر ہندی اور انگریزی کی عبارتیں تو لکھی ہوئی تھیں مگر اردو سے ہر بورڈ خالی تھا، اسی طرح کانگریس کی طرف سے نکلنے والا اشتہار بھی صرف ہندی ہی میں شائع ہوا تھا"۔

تعجب کی تو کوئی بات نہیں، مگر افسوس کی بات ضرور ہے جشن آزادی میں آخر ان لوگوں کی بھی کوئی جگہ تھی یا نہیں جن کی مادری زبان اردو ہے یا جو صرف اردو پڑھ سکتے ہیں۔

اگر نہیں تھی تب تو شکایت ہی فضول ہے، لیکن اگر تھی تو پھر ان بیچاروں کو بے پڑھا لکھا اور جاہل بنا کر کیوں شریک کیا گیا؟ پھر وہ بھی اس جشن کے اعلانوں میں شرکت کرتے ــــــ اب فرمائیے ملک کی ایکتا کو کون توڑ رہا ہے!

مزے کی بات یہ ہے کہ ہندی کے ساتھ انگریزی تو جا لو ہوئی مگر اردو کا کوئی حرف جگہ نہ پا سکا!

اور بصیرت افروز یہ بات بھی ہے کہ شہر علی گڑھ کی کانگریس کمیٹی کے صدر ایک ایسے میاں ہیں جو خود جامعہ ملیہ کے گریجویٹ ہیں ــــــ

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنا سب پڑھا لکھا موصوف بھول گئے! ــــ اتر پردیش میں کانگریس کی گدی کچھ عجیب عجیب اثرات پیدا کرتی ہے!!

نئی دلی۔ آل انڈیا ہندو مہا سبھا کی ورکنگ کمیٹی نے اپنے اجلاس میں کئی تجاویز پاس کی ہیں۔ ایک تجویز میں ورکنگ کمیٹی نے یو پی میں انجمن ترقی اردو پر سخت نکتہ چینی کی ہے اور اسے غیر قومی قرار دیا ہے کیونکہ انجمن اردو کا اور عربی رسم الخط کا پروپیگنڈہ کرتی ہے!

تجویز میں۔ یو پی ہندو مہا سبھا سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ انجمن کی ایسی کوششوں کو روکے اور اگر ضروری ہو تو ایک ایجی ٹیشن چلائے،

ــــ بہت خوب! عنایت نامہ شرف صدور لایا۔ رسید حاضر ہے!! ــــ انجمن کے خلاف ایجی ٹیشن کا ایک نمونہ تو ہم لکھنو میں دیکھ چکے ہیں!

ایک نامہ نگار نے لکھا ہے کہ پھر ایک دفعہ صوبہ کی کانگریس کے عظم صدر نے ایک بیان دے ڈالا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ وہ شدت کے ساتھ، صوبہ کے اردو بولنے والوں کے مطالبوں کے خلاف ہیں، یہ بھی فرماتے ہیں کہ "یہ مطالبات ملک کے دستور کے خلاف ہیں"

لیجئے سارا مسئلہ حل ہوگیا، جب یہ مطالبے دستور ہی کے خلاف ہیں تو پھر شاستری جی آرام کی نیند کیوں نہ سوئیں، پھر فکر ہی کیا ہو؟ صدر جمہوریہ دستور کے خلاف کسی مطالبہ کو تو منظور کرنے سے رہے! یہ مطالبے اپنی موت آپ ہی مرجائیں گے۔ اب شاستری جی اس قدر بے چین کیوں ہوں؟

موصوف نے یہ بھی فرمایا کہ "صوبہ کی حکومت تو زبان کے متعلق اپنی پالیسی پر مضبوطی سے قائم رہے گی" سبحان اللہ اب تو شاستری جی کے دونوں میٹھے! اُدھر تو مطالبے ہی خلاف دستور اس لئے ناقابل منظوری! اور اِدھر گھر کی حکومت ٹس سے مس ہونے والی نہیں! پھر تو معاملہ صاف ہے۔ آخر اب بار بار اخباروں میں بیان دینے کی کیا ضرورت ہے؟

ایک اردو دوست نے ڈیوک آف ونڈسر کی خود نوشت سوانح حیات سے چند فقرے نقل کر کے ہمیں بھیجے ہیں۔ اپنی ہندوستان کی سیاحت کا ذکر کرتے ہوئے ڈیوک لکھتے ہیں کہ:-

"بہترین مشورہ مجھے یہ دیا گیا کہ مجھے اردو زبان اس قدر ضرور سیکھنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ میں جس قدر ہندستانیوں سے ملوں ان سے بات چیت کر سکوں اور کچھ سادہ تقریریں بھی کر سکوں"

ہمارے کرم فرما لکھتے ہیں کہ "اس سے معلوم ہوگا کہ ہندستان میں اردو کا کیا مقام ہے"

موصوف کو یہ بات یاد نہیں آرہی کہ یہ سب کچھ تو گذشتہ سے پہلے کی باتیں ہیں، جب مہاتما گاندھی بھی زندہ تھے۔ مگر اب تو رُت بدل گئی ہے۔ ساز اور راگ دونوں بدل چکے، عقل و فہم کا معیار بھی بدل گیا، اخلاقی قدریں بھی بدل گئیں ــــ اب ڈیوک آف ونڈسر کی بات کا حوالہ دینا فضول ہے! جب مہاتما گاندھی ہی کی بات نہیں سنی جاتی تو بیچارے ڈیوک کس شمار قطار میں ہیں!

ہم سے پوچھئے تو اب صرف یہ پوچھئے کہ ٹنڈن جی نے کیا فرمایا اور سمپورنانند جی کیا فرماتے ہیں!!

انجمن کی خبریں

اعظم گڈھ

مشرقی اضلاع کے دورہ کے سلسلے میں جناب قاضی عبدالغفار صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) اور جناب خیر بہوروی صاحب نمائندہ خصوصی انجمن ترقی اردو، اعظم گڈھ پہلی اگست ۵۳ء۱۹ کو تشریف لائے ان کے خیر مقدم کے لئے اسٹیشن پر جناب شوکت سلطان صاحب بی۔ اے آنرز ایم۔ اے ایل ایل بی پرنسپل شبلی کالج معہ اپنے کالج کے پروفیسران کے موجود تھے۔ وہاں سے قاضی صاحب شہر تشریف لائے اور شبلی کالج کی مجلس انتظامیہ کے صدر جناب مرزا سلطان احمد بیگ صاحب ریٹائرڈ ممبر بورڈ آف ریونیو کے مکان پر قیام فرما ہوئے پہلی اگست کو قاضی صاحب کے اعزاز میں جناب شوکت سلطان صاحب نے ایک شاندار چائے کی پارٹی دی اور اس میں شہر کے خاص خاص لوگوں نے شرکت کی۔ دوسری اگست کو دارالمصنفین اعظم گڈھ میں جناب شاہ معین الدین صاحب ندوی ناظم دارالمصنفین نے ایک نہایت ہی پر تکلف چائے کی پارٹی قاضی صاحب کے اعزاز میں دی اور اس پارٹی میں قاضی صاحب کے علاوہ پنڈت اسندر لال۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی، مرزا سلطان احمد بیگ صاحب، مولانا مسعود علی ندوی ناظم امور انتظامی... دارالمصنفین و رفقائے دارالمصنفین، شوکت سلطان صاحب پرنسپل شبلی کالج اقبال احمد سہیل صاحب مرزا مرتضیٰ بیگ صاحب وکیل، شاہ عبدالحق صاحب، امین الدین صاحب رئیس اعظم گڈھ، حکیم محمد اسحٰق صاحب وکلا اور شہر کے دوسرے معززین اور کالج کے پروفیسران نے شرکت کی پارٹی کے بعد ایک مختصر تقریر قاضی صاحب نے انجمن کے اغراض و مقاصد پر اور علاقائی زبان کی مہم پر کی اور ساتھ ہی ساتھ انجمن کی مقامی شاخ قائم کرنے پر زور دیا۔ جناب قاضی صاحب کی اس تقریر کا خیر مقدم لوگوں نے نہایت ہی گرمجوشی سے کیا۔ اسی وقت جناب سید صلاح الدین عبدالرحمٰن صاحب ایم۔ اے رفیق دارالمصنفین نے انجمن کے عہدیداروں کے نام پیش کئے انجمن کے صدر کیلئے جناب شاہ معین الدین صاحب ناظم دارالمصنفین کا نام پیش کیا گیا۔

حاضرین نے بالاتفاق ان کے اسم گرامی پر پسندیدگی کا اظہار کیا۔ سکریٹری کے عہدہ کے لئے محمد عرفان لکچرار معاشیات و اردو شبلی کالج کا انتخاب ہوا اس کے بعد مجلس عاملہ کے اراکین کے لئے حسب ذیل نام پیش کئے گئے۔

جناب مرزا نیاز احمد صاحب وکیل۔ جناب فیضان احمد صاحب وکیل۔ جناب اسلام احمد صاحب وکیل و لکچرار لا کالج۔ جناب اعجاز الحسن صاحب صدر شعبۂ انگریزی۔ جناب عبد المجید صاحب زبیری صدر شعبۂ ریاضیات جناب علی حماد عباسی صاحب لکچرار شعبۂ انگریزی جناب ملک زادہ منظور احمد صاحب لکچرار شعبۂ انگریزی جناب فیض الرحمٰن صاحب بی۔ اے لائبریرین شبلی کالج جناب محمد یحییٰ صاحب اعظمی جناب عبد الباری صاحب اعظمی۔ موخر الذکر دونوں حضرات نے حکیم محمد اسحٰق کی نگرانی میں بسلسلہ تحریک علاقائی زبان دستخطوں کی فراہمی میں بڑا نمایاں حصہ لیا ہے۔ ان ناموں پر تمام حاضرین کا اتفاق ہوا۔ جناب مرزا سلطان احمد صاحب کے اصرار پر خود بخود جناب سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب کا نام بھی بڑھایا گیا جس کی تائید تمام حاضرین نے کی۔ خازن جناب حاجی مبین الحق صاحب تاجر اعظم گڑھ بالاتفاق مقرر ہوئے۔

۱۰ اگست کو شبلی کالج بزم ادب کی طرف سے شام کو ایک شاندار جلسہ کیا گیا اور اس میں جناب قاضی صاحب نے نہایت ہی پُر از معلومات تقریر کی اور اردو زبان کے بارے میں طلبا اور اساتذہ کے جو شکوک تھے ان کو نہایت ہی تشفی بخش طریقہ پر رفع کیا یہ جلسہ بھی بہت کامیاب رہا اس جلسہ کے بعد رات کو جناب مرزا سلطان احمد صاحب کے مکان پر انجمن ترقی اردو اعظم گڑھ کی مجلس عاملہ کی پہلی نشست ہوئی جس میں قاضی صاحب نے انجمن کے تنظیمی کاموں پر زور دیا۔ اور اس جلسہ میں جناب مولوی مسعود علی صاحب ندوی نے مجلس عاملہ کو اپنا کام کرنے اور اپنے حلقہ اثر کو بڑھانے کے سلسلہ میں بہت سے مفید مشورے دئے اور یہ کہا کہ انجمن شہر کے اندر بچوں کی تعلیم کا اردو میں انتظام کرے اور اس سلسلہ میں جو مدرسے ہیں ان کی نگرانی کرے اور اگر ضرورت ہو تو نئے مدرسے کھولے جائیں جناب مولوی مسعود علی صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ جس طرح اعظم گڑھ اور دوسرے کاموں میں صوبہ میں ممتاز رہا ہے اسی طرح امید ہے کہ انجمن ترقی اردو کے کاموں میں بھی یہ شہر ایسا نمایاں رہے گا کہ اور دوسرے شہر اس کی تقلید کریں گے۔

۱۱ اگست کو صبح کی گاڑی سے جناب قاضی عبد الغفار صاحب بنارس تشریف لے گئے

(نامہ نگار)

رام پور (دربھنگہ)

۱۵ اگست کو قومی کتب خانہ رام پور، دارت نگر ضلع دربھنگہ کے زیر اہتمام ایک غیر معمولی مجلس زیر صدارت جناب مولوی حافظ عبد الرشید صاحب قبلہ صدر قومی کتب خانہ منعقد ہوئی اس موقع پر انعامی مقابلہ کا اہتمام بھی کیا گیا تھا سب سے پہلے یوم آزادی پر مضمون لکھنے کے سلسلے میں بچوں کے درمیان انعامی مقابلہ ہوا مندرجہ ذیل بچوں نے اس مقابلہ میں شرکت کی۔

جناب سہیل احمد۔ جناب نیناء اللہ۔ جناب عبد السبحان جناب مرتضیٰ۔ جناب انعام الحق صاحبان۔

مقابلہ کے نتائج کا اعلان ۲۸ اگست کو ہوگا۔ اس کے بعد کتب خانہ کے شعبہ تحریر و تصنیف کی مجلس شروع ہوئی۔ جناب منظر واجدی سکریٹری شعبہ ہٰذا نے یوم آزادی پر اپنا گرانقدر مضمون پڑھا جو بہت ہی قابل قدر تھا اس کے بعد جناب ظہیر کہرولوی نے یوم آزادی کے عنوان سے ایک نظم پڑھی آخر میں جناب متین احمد مظہری خوشتر رام پوری صدر شعبہ ہٰذا نے اپنا ایک قابل قدر انشائیہ بعنوان "سنتر کا یوم آزادی" پڑھا علاوہ ازیں آپ نے اپنے چار قطعات یوم آزادی سے متعلق سنائے جو بہت ہی کامیاب رہے۔

اس کے بعد شعبہ بحث و تمحیص کی نشست شروع ہوئی۔ جناب ظہیر کہرولوی۔ جناب مصطفےٰ صابری جناب قمر الہدیٰ اور جناب عبد الباسط نے یوم آزادی پر تقریریں فرمائیں آخر میں صدر شعبہ جناب متین احمد مظہری خوشتر نے ایک طویل اور پر مغز تقریر فرمائی اور ساتھ ہی دیگر حضرات کی تقاریر پر تبصرہ فرمایا۔

الٰہ آباد

انجمن کے جنرل سکریٹری قاضی عبد الغفار صاحب کی آمد کے موقع پر ۱۱ اگست کو شہر کے نمائندوں کے ایک عام جلسہ میں قرار پایا کہ الٰہ آباد میں انجمن ترقی اردو کی ایک شاخ قائم کی جائے چنانچہ حسب ذیل اصحاب متفقہ طور پر شاخ الٰہ آباد کے عہدہ دار اور انتظامی کمیٹی کے رکن منتخب کئے گئے:۔

مولوی ذوالفقار اللہ صاحب	صدر
پنڈت سندر لال جی	نائب صدر
پنڈت اشیشور ناتھ پانڈے صاحب	"
باقر عثمانی صاحب	"
حضرت نوح ناروی صاحب	"
ابو الحسن جعفری صاحب	سکریٹری
پروفیسر مسیح الزماں صاحب	شریک "
مجیب رضوی صاحب	" "
دیوان رادھے ناتھ کول صاحب	رکن انتظامیہ
راج کماری سورج کلا سہائے صاحبہ	"
صادق علی صاحب	"
پروفیسر رفیق حسن صاحب	"

پروفیسر رگھوپتی سہائے فراق	رکن انتظامیہ
ڈاکٹر اعجاز حسین	"
شمشیر بہادر صاحب	"
سرسوتی سرن صاحب	"
رضی الدین حیدر صاحب	"
اظہر علی فاروقی صاحب	"
مولانا شاہد فاخری صاحب	"
سید محبوب علی صاحب	"
سریندر ناتھ ورما صاحب	"
رئیس الدین احمد صاحب	"
آغا علی خان صاحب	"
شریش رام بھالی صاحب	"
لالہ دوارکا پرشاد نشاط صاحب	"
سید محمد تقی صاحب	"
منشی رحمت اللہ صاحب	"
بسمل الہ آبادی صاحب	"
بیگم کشور انصاری صاحبہ	"
مفتی فخر الاسلام صاحب	"

نئی کتابیں

گوتم بدھ

از:۔ مولوی فضل الرحمن صاحب سابق ناظم تعلیمات
حیدر آباد۔ ناشر انجمن ترقی اردو حیدر آباد قیمت ایک روپیہ

آسان اور سلجھی ہوئی ہندستانی زبان میں مہاتما بدھ کی زندگی اور تعلیمات پر یہ دلکش نظم بہت قابل قدر ہے۔ مولوی فضل الرحمن صاحب وہ اصطلاحی شاعر تو نہیں ہیں جو مشاعروں میں داد سخن لینے کے لئے سو سو جتن کرتا ہو۔ لیکن ان کے افکار شاعرانہ ہیں اور شاعری کے میدان میں بھی ان کا قلم اپنا زور دکھا سکتا ہے۔ زیر نظر نظم اس بات کا ثبوت ہے کہ اردو زبان کا یہ روپ جسے "ہندستانی" کا نام دیا گیا ہے۔ اپنے اندر بہت بڑی وسعت بیان رکھتا ہے۔ بدھ کے احساسات کے آئینہ میں دنیا کی تصویر پیش کرتے ہیں:۔

پھیلا ہوا دھرتی پہ جہالت کا اندھیرا
وہ رات، نہیں جس کے نصیبوں میں سویرا
جیوں کے پھنسانے کے لئے جال ہے دنیا
جیتوں کے لئے جان کا جنجال ہے دنیا
دولت کی چھری تیز ہے محنت کے گلے پر
سو طرح کی بیداد ہے ہر بھاگوں جلے پر۔

گوتم کے روحانی عروج کی آخری منزل کا نشان بتاتے ہیں۔

جذبات کا طوفان امنڈتا رہا لیکن!
وہ سخت چٹاں کی طرح بیٹھا رہا لیکن
سوچا کہ زر و مال کی کثرت ہے تو کیا ہے
شہرت ہے تو کیا دنیوی عزت ہے تو کیا ہے
قوت کی ہوس اور نہ حکومت سے سروکار
دل اس کا حیات ابدی کا تھا طلب گار
دن رات اسی دھن میں بس آشفتہ سری تھی
سر کی خبر پا کی عجب بے خبری تھی
یاں تک کہ مٹا ذہن سے ہر نقش خودی کا
باقی نہ رہا فرق من و تو کی دوی کا!

تقریباً ۱۹۰ شعروں کی یہ نظم زبان اور مطالب کے اعتبار سے ایک دلچسپ نمونہ ان کامیاب کوششوں کا ہے جو ہمارے اہل قلم اردو زبان کے آسان اور عوامی روپ کو مختلف موضوعات پر حاوی کرنے کی کر رہے ہیں۔

انجمن ترقی اردو، حیدر آباد اگر اس قسم کی مطبوعات کا سلسلہ جاری رکھے تو باوجود مخالف حالات کے ہمیں یقین ہے کہ وہ اردو کے لئے ان لوگوں کی ہمدردی حاصل کر سکے گی جن کی مادری زبان اردو نہیں ہے!

گاندھی بابا کی کہانی

از:۔ قدسیہ بیگم زیدی صاحبہ۔ ناشر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
دہلی قیمت پانچ روپیہ

مہاتما گاندھی کی زندگی اور تعلیمات کی یہ کہانی، جس انداز سے لکھی گئی ہے اس کی مثال اردو زبان کے ادب میں بہت کم مل سکتی ہے قدسیہ بیگم زیدی صاحبہ نے سوانح نگاری کے ادب کا ایک اچھوتا نمونہ پیش کیا ہے اور مکتبہ جامعہ نے طباعت و کتابت کے اعلیٰ معیار کی ایک اچھی مثال پیش کی ہے۔

یہ کہانی، ماں بچے کی گفتگو کے پیرایہ میں مہاتما جی کی جنگ آزادی کا گویا ایک ڈرامہ پیش کیا گیا ہے جو خاص طور سے بچوں اور طلبا کے دلوں میں اتر جانے والی کہانی ہے۔ پھر اردو زبان کا جو روپ ان اوراق میں اختیار کیا گیا ہے وہ بجائے خود زبان کو آسان اور عوامی بنانے کی ضرورت

کا سبق دیتا ہے اور ہم اردو زبان لکھنے والوں کو بتا سکتے ہیں کہ وہ "گاندھی بابا کی کہانی" کے انداز تحریر سے روشنی حاصل کریں۔

ہم بلا مبالغہ کہہ سکتے ہیں کہ اردو زبان کا یہ اسلوب اور سوانح نگاری کا یہ دل نشیں نمونہ پیش کر کے بیگم صاحبہ نے اردو ادب پر ایک احسان کیا ہے اور اسے زبان کی سادگی کے ذریعہ عوام کے دلوں سے قریب تر ہونے کی ایک راہ دکھائی ہے۔

مہاتما گاندھی کے متعلق اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ شاید گذشتہ چند صدیوں میں کسی ایک شخص کے متعلق اتنا کچھ نہیں لکھا گیا۔ اردو زبان میں بھی مہاتما جی کے متعلق لٹریچر کا انبار لگا ہوا ہے لیکن "گاندھی بابا کی کہانی" نے اپنے لئے سب سے الگ ایک مقام پیدا کیا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ بیگم صاحبہ کی مستحسن کوشش کی تمام ملک میں قدر کی جائے گی اور اردو کے بہت سے لکھنے والے اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

تنقیدی آئینے

از:- حشیر علی صدیقی صاحب - محلہ سوتھ بدایوں

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

صدیقی صاحب کے "تحقیقی اور تنقیدی" مضامین کا ایک چھوٹا سا مجموعہ ہے۔ جو مختلف موضوعات پر حاوی ہے۔ گو کہ مضامین مختصر ہیں لیکن ان کو جامع بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہیں کہیں تنقید کے رنگ میں اخباری ریویو کا رنگ زیادہ نمایاں ہے۔ لیکن جو کچھ بھی لکھا گیا ہے اس میں توازن ہے اور جنبہ داری نہیں ہے۔ امید ہے کہ صدیقی صاحب کی یہ کتاب مقبول ہوگی۔

جوئبار

از:- شکیل عباسی صاحب، مطبوعہ اسرار کریمی پریس جانسین گنج الہ آباد۔ قیمت ایک روپیہ چار آنہ

مولانا شکیل عباسی کے کلام کا یہ نمونہ زیادہ ترغزلیں ہے۔ اگر ان غزلیات میں شخصی تاثرات زیادہ نہ ہوتے تو ہم شکیل صاحب کے کلام کو (باوجود اسلوب بیان کے اختلاف کے) فانی اسکول میں شمار کرتے لیکن زیر نظر مجموعہ درحقیقت شاعر کے شخصی تاثرات کا ایک مجموعہ ہے جس کو شکیل صاحب کی طبع شاعرانہ نے شعر کے روپ میں

پیش کر دیا ہے۔ بعض نظموں کا تعلق عوامی مسائل سے بھی ہے۔ لیکن ایسی نظمیں کم ہیں۔ البتہ ایسی نظمیں بہت ہیں جن میں شاعر کے غم دوست وجدان اور اس کے شخصی احساسات کے آئینہ میں انسانی جذبات کا چہرہ بھی نظر آتا ہے۔ بہرحال مجموعی حیثیت سے "جوئبار" قابل قدر ہے۔

نقشہائے رنگ رنگ

از:- رادھے شیام اختر صاحب۔ نامی پریس لکھنؤ

اس مجموعہ کلام پر آل احمد سرور صاحب نے اپنے پیش لفظ میں وہ سب کچھ لکھ دیا ہے جو موضوع کا تعارف کرنے کے لئے ضروری تھا۔ سرور صاحب فرماتے ہیں:-

"رستوگی صاحب کی شاعری ساری زندگی نہیں ہے۔ یہ ان کے جذبات کی آسودگی، ان کی فطرت کی ایک بے چینی کی تسکین، ان کے حسن کے احساس کی ترجمانی کا نام ہے۔ یہ تعجب ضرور ہوتا ہے کہ مغربی فطرت کے اتنے گہرے مطالعے نے بھی انہیں شعر میں تجربے کرنے یا نئی راہیں نکالنے پر مائل نہیں کیا مگر ان کی زندگی میں جو سلامت روی، جو میانہ روی، جو استقلال، جو مانوس رفتاری ہے وہی ان کی شاعری میں بھی نمایاں ہے۔ ...... رستوگی صاحب کے "نقشہائے رنگ رنگ" میں کتنے ہی نقش اپنے حسن و زیبائش کی وجہ سے ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ ...... "نقشہائے رنگ رنگ" میں مسرت و بصیرت دونوں کا سامان موجود ہے اور پھر کتاب حسن معنی کے علاوہ حسن صورت سے بھی مزین ہے۔"

ان الفاظ کو کسی اضافہ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ پڑھنے والے اختر صاحب کے ان نقوش سے لطف اندوز ہوں گے۔

پوسٹ مارٹم

از:- جناب عرش ملسیانی۔ ملنے کا پتہ، رسالہ بیسویں صدی انصاری مارکٹ، دریا گنج، دہلی قیمت دو روپیہ چار آنے

عرش صاحب نے ان اوراق میں زندگی کے تبسم آفریں پہلو کے دلچسپ گوشوں کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس قسم کا "ہلکا لٹریچر" اردو زبان میں بہت کم ہے۔ زبان کی نشو و نما کا یہ پہلو نظر انداز نہیں ہونا چاہئے۔ اس پہلو میں نفسیات کے بہت سے سبق آموز پہلو پنہاں ہوتے

ہیں اور جو شخص مزاحی قصوں کو صرف تفریح طبع کے لئے پڑھتا ہے وہ بھی اگر گہری نظر سے دیکھے تو اس تفریح میں انسانی فطرت کے مطالعہ کا اچھا خاصہ مواد مل جاتا ہے۔ یوسف صاحب نے اپنی دیکھی ہوئی چند تبسم انگیز واقعات کو جمع کر دیا ہے۔ لیکن اگر وہ غور فرمائیں گے تو ابھی ان کو اپنی زندگی کی اور بھی بہت سی ایسی وارداتیں یاد آئیں گی جن میں بظاہر تو سرِ راہ تفریح کا ایک پہلو نمایاں ہوتا ہے لیکن بباطن وہ انسانی نفسیات کے مطالعہ کا راستہ کھولتی ہیں۔ "یوسف مارٹم" بلاشبہ اردو ادب میں ایک دلچسپ اضافہ ہے۔

حسرت کی یاد میں

مرتبہ عبد الشکور بخش قادری صاحب ایم۔ اے
استاد تعلیم نفسیات مجیدیہ اسلامیہ کالج۔ الٰہ آباد
قیمت ایک روپیہ ۱۲ آنے

مولانا حسرت مرحوم کی یاد میں، پیغامات، مقالات اور نظموں کا یہ مجموعہ قادری صاحب نے مرتب کیا ہے۔ اس مجموعہ کے اوراق میں مولانا حسرت مرحوم کی زندگی اور ان کے شاعرانہ کمالات کے بعض گوشوں پر دلچسپ روشنی پڑتی ہے۔ کتاب پڑھنے کے قابل ہے۔ مولف کی محنت قابل داد ہے۔

لرزتے آنسو

از عادل رشید صاحب۔ ملنے کا پتہ
پروین بک ڈپو۔ الٰہ آباد۔ قیمت تین روپے

عادل رشید ترقی پسند نوجوان ہیں۔ جنھوں نے اپنے فلسفیانہ شعور کو بڑی ہوشیاری سے نکھارا ہے۔ ان میں ناول نویسی کی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ نفسیاتی تجزیہ نگاری کی قوت بھی پائی جاتی ہے۔ لرزتے آنسو ان کا بہترین ناول ہے۔ جو اپنی مقبولیت کی وجہ سے کئی بار چھپ چکا ہے۔

شعر و شاعری نمبر

رسالہ آج کل دہلی نے ماہ اگست کا پرچہ شعر و شاعری نمبر کے نام سے شائع کیا ہے۔ جس کی قیمت ۸ آنے ہے۔ اس نمبر میں شعر و شاعری کے علاوہ راجپوت نقاشی کے دو نمونے بھی ہیں۔ اس نمبر میں نئی ہندی شاعری، نئی پنجابی شاعری، جدید کشمیری شاعری، نئے دور میں جدید تلنگی شاعری، اچھے مضامین ہیں۔

جد و جہد

سالانہ چندہ دس روپے ششماہی پانچ روپے
فی پرچہ چار آنے

مولانا اسرار احمد صاحب آزاد، تجربہ کار صحافی اور بالغ نظر سیاسی آدمی ہیں۔ جد و جہد انہیں کے قلم کے سائے میں دہلی سے ہفتہ وار شائع ہو رہا ہے۔

صحافت کو عوام کے اخلاق اور اعمال کا محافظ اور رہنما ہونا چاہیے نہ کی گندگی کا بیوپاری۔ شکر ہے کہ جد و جہد صحافت کے فرائض کو اچھی طرح ادا کر رہا ہے۔ دلی جیسے علمی و ادبی شہرت کیلیے جد و جہد جیسے پرچے کی سخت ضرورت تھی۔ جو چاندی کے چند سپید ٹکڑوں کے بدلے میں صحافت جیسے شریف پیشے کو بدنام نہ کرے۔ اور عوام کے سیاسی شعور کو صحت مند غذا پہنچاتا رہے۔

انجمن کی مطبوعات

گذشتہ تین سال میں انجمن نے ۲۰ معیاری کتابیں شائع کر کے اردو ادب میں ایک گرانقدر اضافہ ہے۔ ان مطبوعات کی تفصیلی فہرست تیار ہے جو انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ کے دفتر سے مفت حاصل کی جا سکتی ہے۔

جو لوگ دعوی کرتے ہیں

کہ وہ اردو زبان سے محبت کرتے ہیں اور اس کی خدمت کرنا چاہتے ہیں وہ سوچیں کہ آج تک اخبار "ہماری زبان" اور رسالہ "اردو ادب" کے کتنے خریدار مہیا کئے۔

اردو کانفرنس علی گڑھ

اتر پردیش کے بعض ممتاز جرائد میں علی گڑھ کی مجوزہ اردو کانفرنس اور اس کی مجلس عاملہ میں ہماری شرکت کے متعلق بعض اس قسم کی باتیں لکھی گئی ہیں جن سے ایسی غلط فہمی کا پیدا ہونا ممکن ہے جس کا اثر انجمن ترقی اردو کے مفاد پر بھی پڑے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً بعض امور کی توضیح کر دی جائے۔

(۱) انجمن ترقی اردو کا ہمیشہ یہ اصول رہا ہے کہ جہاں کہیں بھی اور کسی بھی جماعت کی طرف سے (خواہ وہ انجمن کی تنظیم میں شامل ہو یا نہ ہو) اردو کے متعلق کوئی مفید تحریک اٹھے وہ اس میں ممکنہ تعاون کرے۔ اسی اصول کے تحت جب مجوزہ اردو کانفرنس کے محرکین نے ہم سے انفرادی طور پر خواہش کی کہ ہم اس تجویز میں شرکت کریں تو ہم تین شرطوں کے ساتھ شرکت پر رضامند ہوئے۔ اول یہ کہ کانفرنس کے کنوینر صاف صاف اس بات کا اعلان کر دیں کہ وہ پوری طرح انجمن کی دستخطی مہم کے ساتھ ہیں۔ چنانچہ یہ اعلان کانفرنس کے کنوینر کی طرف سے اخباروں میں شائع کیا گیا۔

دوسری شرط یہ تھی کہ کانفرنس کے مقاصد میں کوئی بات ایسی نہ رکھی جائے جس سے یہ گمان پیدا ہو کہ اس کانفرنس کا مقصد انجمن ترقی اردو کے مقابلے میں کوئی دوسرا ادارہ قائم کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ لوگ جن کا تعلق انجمن ترقی اردو سے ہے کسی ایسی تحریک میں شریک ہونا پسند نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اس قسم کا ایک اعلان مجلس عاملہ کے تقریباً تمام اراکین کی طرف سے شائع کیا گیا۔

تیسری شرط یہ تھی کہ جب تک علاقائی تحریک کا نتیجہ نہ نکل آئے یہ کانفرنس منعقد نہ کی جائے۔ اس لئے اس تحریک کے دوران میں کسی ایسے اجتماع سے انتشار خیال پیدا ہو سکتا تھا۔

یہ شرط بھی کانفرنس کے بانیوں نے قبول کی اور اس وقت تک اس شرط کی بنا پر کانفرنس کا انعقاد ملتوی ہوتا رہا۔ لیکن یہ امید کر کے کہ ستمبر تک ہماری علاقائی تحریک کا آخری نتیجہ معلوم ہو جائے گا بشروع اکتوبر کی تاریخیں مجلس عاملہ نے مقرر کیں۔ پھر جب یہ امر واضح ہو گیا کہ شروع اکتوبر تک علاقائی تحریک کا آخری نتیجہ معلوم نہ ہو سکے گا تو ہماری ہی تجویز پر مجلس عاملہ نے کانفرنس کے انعقاد کو پھر ملتوی کر دیا ہے۔

(۴) کانفرنس میں جن مسائل اور جس پروگرام پر غور کرنے کا اعلان کیا گیا ہے وہ کم و بیش وہی ہیں جو انجمن ترقی اردو کے ہیں اور وہ پروگرام یقیناً ایسا ہے کہ خود انجمن ایسا چاہے گی کہ علاقائی تحریک کا نتیجہ معلوم ہو جانے کے بعد کسی ایسے پروگرام پر رائے عامہ معلوم کرے۔ مجوزہ کانفرنس کے متعلق ہمارے ذہن میں اب یہی تصور ہے کہ جب انجمن کا وفد صدر جمہوریہ کی خدمت میں حاضر ہو چکے اور ہماری یادداشت پر صدر جمہوریہ کے احکام صادر ہو جائیں تو پھر علی گڑھ ہی میں ہر مکتب خیال کے اردو دوستوں کو جمع کر کے آئندہ کاموں کے متعلق تبادلۂ خیال کیا جائے لہٰذا پیش نظر یہی تھا اور ہے کہ مجوزہ کانفرنس سے بھی کام لیا جائے۔ اگر کانفرنس کے مقاصد کے متعلق اور محرکین کانفرنس کی نیت کے متعلق ہمارے تمام شبہات کا ازالہ نہ ہوا ہوتا اور ہمیں اس بات کا یقین نہ ہو جاتا کہ ہم اس کانفرنس کو انجمن کے راستے پر لے جا سکیں گے تو یہ امر یقینی ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی ایک منٹ کے لئے اس تحریک کے ساتھ نہ ہوتا۔

(۵) یہ گمان بھی غلط ہے کہ مجوزہ کانفرنس کے محرکین میں ایسے لوگ شامل نہیں ہیں جنھوں نے دستخطی مہم میں عملی کام کیا ہو۔ برخلاف اس کے مجلس استقبالیہ اور مجلس عاملہ میں ایسے اراکین بھی ہیں جنھوں نے علی گڑھ میں دستخطوں کے حاصل کرنے کی جد و جہد میں کافی حصہ لیا ہے۔

ہم کسی اخباری بحث میں الجھنا نہیں چاہتے لیکن یہ بات صاف طور پر کہہ دینا چاہتے ہیں کہ اول تو انجمن سے براہ راست اس تجویز کا کوئی تعلق نہیں ہے ہماری شرکت انفرادی اور شخصی ہے۔ علاوہ بریں مجوزہ کانفرنس میں ہماری شرکت کے ہرگز یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ ہم کسی غلط فہمی یا غلط اندیشی کا شکار ہو کر کسی ایسی تحریک کا ساتھ دے رہے ہیں جو انجمن ترقی اردو سے ٹکر لینے والی ہے ہم نے ہر پہلو پر غور کر کے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اس تحریک میں شریک ہو کر اس کو انجمن کے راستے پر چلائیں گے۔ اگر مجلس استقبالیہ یا مجلس عاملہ انجمن ترقی اردو کے مسلک سے ذرا بھی انحراف کرے گی تو ہم ایک لمحہ کے لئے اس سے کوئی تعلق نہ رکھیں گے۔ ہم آج بھی اس اصول پر قائم ہیں۔

اردو کانفرنس کی مجلس عاملہ نے علاقائی تحریک کا آخری نتیجہ نکلنے تک کانفرنس کو ملتوی کر دیا ہے اس لئے اس مسئلہ پر مزید اخباری بحث سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

رشید احمد صدیقی۔ رکن انجمن ترقی اردو (ہند)
عبد العلیم
محمد عبد الغفار

علی گڑھ
۱۴ ستمبر ۱۹۵۳ء

نواب محمد رحمت اللہ خاں شروانی — منزل منزل
صدر مجلس استقبالیہ اردو کانفرنس" و صدر مجلس عاملہ — علی گڑھ

مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۵۳ء

جس وقت یہ فیصلہ کیا گیا کہ علی گڑھ میں ایک اردو کانفرنس منعقد کی جائے تو یہ بات بھی طے ہو گئی تھی کہ جب تک اتر پردیش میں علاقائی زبان کی تحریک جاری ہے اور جب تک انجمن ترقی اردو کی اس جدوجہد کا نتیجہ معلوم نہ ہو جائے مجوزہ کانفرنس کا انعقاد نہ ہو۔

چند دن ہوئے یہ خیال کر کے کہ ستمبر تک انجمن کی اس تحریک کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔ کانفرنس کی مجلس عاملہ نے اکتوبر کی تاریخیں کانفرنس کے انعقاد کے لئے تجویز کی تھیں۔ لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ ابھی علاقائی زبان کی تحریک کا نتیجہ معلوم ہونے میں دیر ہے تو اس مسئلہ پر پھر غور کیا گیا اور ۳۰ اگست کے اجلاس میں مجلس عاملہ نے یہ فیصلہ کیا کہ اردو کے حامیوں کا کوئی اجتماع اس وقت مناسب نہ ہوگا۔ لہٰذا کانفرنس کا انعقاد سردست ملتوی کر دیا جائے اور جب تک کہ علاقائی تحریک کا آخری نتیجہ معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک کانفرنس کے انعقاد کے لئے کوئی تاریخ مقرر نہ کی جائے۔

اردو کانفرنس کے محرکین کی پوری پوری تائید علاقائی زبان کی تحریک کے ساتھ رہی ہے اور ہماری مجلس عاملہ کسی حالت میں کوئی ایسا اقدام نہیں کرے گی جس سے انجمن ترقی اردو کی تحریک میں ذرا بھی انتشار پیدا ہونے کا امکان ہو۔

محمد رحمت اللہ خاں شروانی
صدر مجلس استقبالیہ۔ اردو کانفرنس

احوالِ غالب

مرتبہ:۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد

علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر سے کون واقف نہیں، ایک زمانے سے شائقین اس کی اشاعت ثانی کے منتظر تھے۔ انجمن ترقی اردو اب ایک ایسا مجموعہ شائع کر رہی ہے جس میں اس نمبر کے بعض ترمیم شدہ مضامین کے ساتھ ساتھ بہت سے نئے اور مفید جامع مضامین بھی شریک اشاعت ہوں گے۔ یہ مجموعہ تین جلدوں پر مشتمل ہوگا صفحات کی مجموعی تعداد ایک ہزار سے زائد ہوگی۔ پہلی جلد احوال غالب میں غالب کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مشاہیر اہل قلم سے مضامین لکھوائے گئے ہیں اور بہت سے نئے معلومات پہلی مرتبہ پیش کئے گئے ہیں۔

دوسری جلد افکار غالب میں تنقیدی مضامین ہوں گے جن میں غالب کی تخلیقات، شاعری، نثر نگاری اور ان کے فن پر بحث ہوگی۔

تیسری جلد گنجینۂ غالب ہے اس میں غالب کے پچاسوں غیر مطبوعہ خطوط اور ان کے کمیاب اشعار ہوں گے۔ تصانیف غالب کے قلمی اور مطبوعہ نسخوں پر مضامین ہوں گے اور یادگار غالب سے ذکر غالب تک اب تک جتنی کتابیں غالب پر لکھی گئی ہیں ان سبھوں پر تبصرے ہوں گے۔

پہلی جلد احوال غالب شائع ہو گئی ہے جس میں حیات غالب کے مختلف پہلو آپ کے سامنے پیش ہوں گے اور یہ یقین ہے کہ غالب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے بڑا مفید اور دلچسپ تحفہ ہوگا۔

احوال غالب میں مندرجہ ذیل مشاہیر اہل قلم کے مضامین شریک اشاعت ہیں۔ رشید احمد صدیقی۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی، پروفیسر حمید احمد خان، مالک رام، مولوی عبدالحق صاحب، غلام رسول مہر ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، قاضی عبدالودود، خواجہ احمد فاروقی۔

غالب کے ان معاصرین احباب و تلامذہ کی متعدد نایاب تصویریں اور غالب کی بعض تحریروں کے عکس بھی شریک اشاعت ہیں۔

کتابت و طباعت اعلیٰ، کاغذ سفید چکنا،

تصاویر ۱۵ عدد

قیمت صرف ۹ روپے

ناشر:۔ انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

یادگارِ حالی

قیمت ۴/۸ روپے

"اس کتاب کا سوانحی حصہ سب سے زیادہ مفید اور کارآمد اور دلچسپ ہے۔ انداز بیان ایسا شگفتہ ہے کہ اس سوانح عمری میں "افسانہ ان شب کہ یار گزشت" کا لطف آتا ہے۔ اس میں وہ سلاست اور نفاست ہے جو قدرت بیان کی آخری حد ہے۔"

خواجہ احمد فاروقی صاحب

(دہلی کالج)

ترقی پسند ادب

سردار جعفری کے قلم سے "ترقی پسند ادب" پر پہلی مستند کتاب ہے جو ادب کی ترقی پسندی کے متعلق بہت سے ناواقف لوگوں کی غلط فہمیوں کو رفع کرتی ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص ہر اس بات سے جو سردار جعفری نے لکھی ہے متفق ہو جائے لیکن یہ ہم جانتے ہیں کہ اس کتاب کے مطالعے سے اردو ادب میں ترقی پسندی کے رجحانات کے متعلق بہت سے غلط رجحانات اور خیالات جو قائم کر لئے گئے ہیں درست ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ہم اس کتاب کو ترقی پسند ادب کے متعلق ایک مستند دستاویز سمجھتے ہیں۔

قیمت ۶ روپے

ناشر:

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

اردو ادب

انجمن ترقی اردو کا سہ ماہی رسالہ ہے جس کے اڈیٹر پروفیسر آل احمد سرور صاحب ہیں۔ سالانہ چندہ صرف دس روپیہ ہے۔ عام طور پر ہر اشاعت میں تقریباً ۱۷۰ صفحات ہوتے ہیں

اپنے اعلیٰ معیار کے اعتبار سے رسالہ کے ادبی اور علمی مضامین ارباب علم و فضل کے حلقوں میں بہت قدر کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

بمبئی کے پروفیسر گوریکر بھارت جیوتی میں اردو ادب کی گذشتہ اشاعت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"گذشتہ ۵۰ سال سے انجمن ترقی اردو، اردو زبان کی شاندار خدمات انجام دیتی رہی ہے جو بقول سر تیج بہادر سپرو مرحوم ہندو مسلمانوں کو اپنے آبا و اجداد سے ایک ایسی وراثت ملی ہے جو مشترک اور مقدس اور ناقابل تقسیم ہے۔ انجمن کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس کی سرپرستی بڑے بڑے اہل علم جیسے کہ نواب عمادالملک، سر راس مسعود، اور سر تیج بہادر سپرو کرتے رہے ہیں۔

انجمن ایک تہذیبی، علمی، معاشی اور فلسفیانہ موضوعات پر سینکڑوں کتابیں شائع کر چکی ہے اور اس کا ایک پندرہ روزہ اخبار ہماری زبان بھی شائع ہوتا ہے۔ جس کے اڈیٹر قاضی عبدالغفار صاحب جنرل سکریٹری ہیں۔

انجمن کے علمی رسالہ اردو ادب میں اردو کے مختلف موضوعات پر اعلیٰ درجے کے تنقیدی مضامین شائع ہوتے ہیں۔ مثلاً اس کی دوسری جلد کے چوتھے نمبر میں مختلف علمی موضوعات پر قابل قدر مضامین شائع ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر یوسف حسن خاں کا مضمون "اردو غزل" پر ژور س۔ پروفیسر ڈاکٹر نذیر احمد کا مقالہ "سرشار اور ان کے شاہکار" کے عنوان سے پنڈت کشن پرشاد کول کا مضمون اور "تلامذۂ غالب" مالک رام صاحب کا دلچسپ مضمون درحقیقت علمی تحقیقات کے اعلیٰ نمونے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو ادب میں لکھنے والے کس قدر گہرے مطالعہ اور علم سے کام لیتے ہیں۔ "مارکسی لسانیات" بہت اچھا ترجمہ ہے جس میں اصل کا رنگ قائم رکھا گیا ہے۔

تبصروں میں اڈیٹر نے اردو کے جدید مطبوعات پر گہری نظر کی ہے۔

بحیثیت مجموعی اردو ادب جو انجمن کا خالص علمی رسالہ ہے قابل تحسین ہے اور اس قابل ہے کہ اس کو خریدا جائے اور پڑھا جائے۔"

اسلامی فن تعمیر

قیمت ۶ روپے

"بلاشبہ اردو ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔"

(بھارت جیوتی)

حیات اجمل

قیمت ۸ روپے

"یہ کتاب مختلف حیثیتوں سے ہر محب وطن ہندستانی کے مطالعہ کے قابل ہے۔"

(معارف۔ اعظم گڈھ)

پرچھائیں

قیمت ۴ روپے

"معلوم یہ ہوتا ہے کہ ایک مصور نے رنگوں کی ماہرانہ آمیزش سے سحر کی مسکراہٹ اور شام کی دل آویزی کی تصویر کھینچی ہے الفاظ نہیں نگینے ہیں۔ ان کے جڑنے کی خوبی یہ ہے کہ ایک لفظ بھی اپنی جگہ سے ہٹا دو تو حسن باقی نہ رہے۔ جگہ جگہ نثر پر نظم بلکہ غزل کا دھوکہ ہوتا ہے۔"

(ساجدہ سلطان صاحبہ زنانہ کالج حیدرآباد)

پرنٹر: عزیز حسین خوش نشتر پریس علی گڑھ